سرائیکی صورتِ خطی: ایک تحقیقی جائزہ

Siraiki Script: An Exploratory Review

وارث ملک[i] ڈاکٹر جاوید حسان چانڈیو[ii]

Abstract:

The script performs significant role in learning and reading process of any language. Siraiki language has taken centuries to evolve to the present form. It has been adopting different scripts with the passage of time. Its initial phase of script may be seen in the form of Indus valley script. Afterwards, this language has been read and written in Dev Naagri script, Urd Nagri script and Landa Script. The present dictation and script of Siraiki language are derived from Arabic script. Yet it is much influenced by Urdu and present Sindhi alphabetic signs. The investigative analysis of present Siraiki script and its gradual evolution era has been discussed in this article.

Keywords: *Siraiki, Saraiki, Language, Pakistan, Dev Nagri, Script, Araabic, Naskh, Nastaleeq.*

رسم الخط کسی بھی زبان کے سیکھنے اور پڑھنے کے عمل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ سرائیکی زبان کو موجودہ شکل تک پہنچنے میں صدیوں کا عرصہ لگا ہے۔ یہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف رسم الخط اپناتی رہی ہے۔ اس کی رسم الخط کا ابتدائی مرحلہ وادی سندھ کے رسم الخط کی شکل میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اس زبان کو دیو ناگری رسم الخط ، اُردھ ناگری رسم الخط اور لنڈا رسم الخط میں پڑھا اور لکھا گیا۔ سرائیکی زبان کی موجودہ رسم الخط عربی رسم الخط سے ماخوذ ہے ، جو کہ اردو اور موجودہ سندھی حروف تہجی کی علامات سے بہت زیادہ متاثر ہے .اس مضمون میں موجودہ سرائیکی رسم الخط اور اس کے بتدریج ارتقاء کے دور کا تحقیقی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

کلیدی الفاظ: سرائیکی ،زبان ، پاکستان ، دیو ناگری ، رسم الخط ، عربی ، نسخ ، نستعلیق۔

موجودہ سرائیکی صورت خطی جو پاکستان میں سرائیکی لکھنے والے ادباء و شعراء کے ہاں مروج ہے اس صورت خطی کو تاریخی طور پر پرکھا جائے تو یہ عربوں کے اس خطے میں وارد ہونے کے بعد نمو پذیر ہوئی ہے۔ یہ عربی رسم الخط سے ماخوذ ہے اور اسے سرائیکی مسلمانوں کی صورت خطی بھی کہا جاسکتا ہے، کیوں کہ اسے اسلامی عقائد کی ترویج و تدریس کی غرض سے تجویز کیا گیا تھا۔ اس کے بر عکس ہندو سرائیکی اپنے قدیم لُنڈا رسم الخط سے ہی جڑے رہے، اسی تناظر میں اختر وحید انصاری نے بیان کیا ہے کہ:۔

> "محمود غزنوی کے عہد (۱۲۱۰ء) کے سکے اور ناصر الدین قباچہ کے عہد کے سکے ایک طرف خط نسخ (عربی اسم خطی) اور دوسری طرف لُنڈا (کڑکا) رسم الخط میں کندہ کیے جاتے تھے۔"[1]

---

i لیکچرر ، شعبہ سرائیکی ، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج ، لودھراں (Corresponding Author)

ii پروفیسر و صدر نشین ، شعبہ سرائیکی ، اسلامیہ یونی ورسٹی ، بہاول پور

وادی سندھ کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ عرب سیاحوں اور تذکرہ نگاروں نے قدیم سرائیکی زبان کو ملتانی کے علاوہ سندھی اور ہندی لکھا ہے۔ ان تذکرہ نگاروں نے قدیم ملک سندھ کے مختلف رسوم الخط کا ذکر بھی کیا ہے۔ اگرچہ عربوں کے اقتدار کے ساتھ سندھ اور ملتان کے علاقوں میں عربی ہی دفتری زبان قرار پائی، لیکن اس خطے کی مقامی زبانیں یعنی سندھی اور سرائیکی کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ چناں چہ سرائیکی اور سندھی عوام اور حکم رانوں کے درمیان رابطے کی زبانیں تھیں۔ علاوہ ازیں کاروبار اور اسلام کی تبلیغ کے لیے بھی ان زبانوں سے کام لیا جاتا رہا۔ ابن ندیم (۹۹۵ء) کے حوالے سے ڈاکٹر جی الانا نے لکھا ہے کہ "سندھ کے لوگوں کی بولیاں اور مذاہب باہم مختلف ہیں، رسم الخط متعدد ہیں۔"[۲] اسی طرح البیرونی کا حوالہ پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر جی الانا یوں رقم طراز ہیں:

> "جنوبی سندھ میں کھارے والے خطے تئیں مالوشاؤ نام کا رسم الخط کام آتا ہے۔ اسے مالواڑی خط بھی کہا جاتا ہے۔ بھمنوا (المنصورہ) میں سندوا رسم الخط رائج ہے۔ لاڑی خط لاڑ دیس میں کام آتا ہے۔ اردھ ناگری رسم الخط بھاٹیا دیس اور سندھ کے کئی علاقوں میں لکھا جاتا ہے۔"[۳]

درج بالا اقتباس میں بیان ہونے والے رسم الخطوں میں اردھ ناگری ایک ایسا رسم الخط ہے۔ جسے عمومی طور پر لنڈا رسم الخط سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ خط قدیم مملکت سندھ کے جس خطے میں رائج رہا ہے، وہ بھاٹیا نام کا دیس بتایا جاتا ہے۔ تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ محمد بن قاسم (۷۱۲ء) کی آمد کے وقت قلعہ تلواڑہ (نزد لودھراں شہر) قلعہ کہروڑ پکا، قلعہ اوچ، قلعہ مروٹ، قلعہ ڈیراور اور اس کے آس پاس کے علاقے بھاٹیا راج کا مرکز رہے ہیں۔ موجودہ محل وقوع کے مطابق ہم اس کی تشریح یوں بھی کر سکتے ہیں کہ ضلع وہاڑی، ضلع لودھراں، ضلع بہاول نگر، ضلع بہاولپور، ضلع رحیم یار خان اور ماڑ وار کی سرحد تک چولستان کے قدیم قلعے ۱۳ سو سال قبل بھاٹیا دیس کا حصہ رہے ہیں۔ اسی علاقے کو بالخصوص سرائیکی زبان کا مرکزی علاقہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اردھ ناگری یا لنڈا رسم الخط اسی علاقے کی خاص پہچان رہا ہے۔ اسی رسم الخط میں سرائیکی ہندو اپنے کاروبار کا نظام چلاتے رہے، یہی رسم الخط "ہٹی اکھر" اور "کڑکا" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

اب تک کی بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سرائیکی زبان اسلام کی آمد سے پہلے بھی لکھی اور پڑھی جاتی تھی۔ بعد ازاں اسلام کی اشاعت سے اس خطے میں ناصرف مذہبی اثرات مرتب ہونا شروع ہوئے، بلکہ یہاں کے تحریری نظام اور ذخیرہ الفاظ میں نیا اضافہ ہونا شروع ہوا۔ سندھی اور سرائیکی زبان نے عربی لفظیات کو اپنے تلفظ اور مزاج کے مطابق جذب کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں کی فتوحات کے ساتھ ٹھٹھہ، روہڑی، اوچ اور ملتان میں علمی مراکز قائم ہوئے اور اسلامی درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔ مقامی لوگوں کی تعلیم وتربیت کی غرض سے علماء نے سندھی اور سرائیکی کی نئی صورت خطی عربی حروف کی شکل میں وضع کی اور اس میں ث، ص، ض، ح، خ، ذ، ط، ظ، ع، غ، ف، ق کی شکل میں ۱۲ نئے حروف بھی شامل ہوئے۔ اسی حوالے سے ڈاکٹر حیدر سندھی نے لکھا ہے:

> ''اہل علم سندھیوں نے عربوں کو سندھی اور عربوں نے سندھیوں کو عربی اور دینی علوم پڑھانے اور لکھانے میں جو فراغ دلی دکھائی اس کے نتیجے میں بہت سارے عربوں نے بڑے شوق سے سندھی بولنے کی کوششیں کیں۔ اہل علم سندھیوں نے ناصرف اس عمل میں معاونت کی بلکہ اس کام کی ہمت افزائی بھی کی۔''[۴]

اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لیے سرائیکی زبان میں بھی عربی سکھانے اور پڑھانے کے ابتدائی نمونے واضح طور پر ملتے ہیں۔ تاریخ کی کتابوں میں جہاں اسلام کے ابتدائی دور کے کئی سندھی اور سرائیکی (ملتانی) علما کے تذکرے ملتے ہیں وہاں ایک نام ہارون بن عبداللہ ملتانی کا بھی ملتا ہے جو عربی اور سرائیکی زبان میں اشعار تخلیق کرتا تھا۔[۵]

منشی عبدالرحمان نے اپنی کتاب تاریخ ملتان میں لکھا:

> ''محمد بن قاسم نے فتح ملتان کے بعد یہاں ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی اس زمانے میں مسجد سے مسلمان بیک وقت عبادت گاہ، مکتب، دارالمطالعہ، کتب خانہ اور دارالشوریٰ کا کام لیتے تھے۔ محمد بن قاسم کے ساتھ تبلیغ دین کی غرض سے علماء اور حفاظ کا ایک گروہ ہم رکاب تھا جو نو مسلموں کو درس قرآن دینے پر معمور کیے گئے۔''[۶]

سرائیکی خطے میں عربی قاعدہ پڑھانے کے لیے ایک "نوٗ بھتی قاعدہ" بھی ملتا ہے۔ شوکت مغل

نے اس قاعدے کو از سرنو ترتیب دے کر شائع کیا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ سرائیکی طلبا کو عربی قاعدہ پڑھانے کے لیے درج ذیل انداز رواج پا چکا تھا۔ یعنی:

> "الف خالی ب تلے ہک نقطہ ت اُتے ڈو نقطے ج وچ ہک نقطہ ح خالی خ اُتے ہک نقطہ۔"[۷]

> "اسی قاعدے کے مطابق حروف تہجی کی پہچان کے بعد زبر، زیر اور پیش کی پہچان کے لیے یہ الفاظ دہرائے جاتے تھے۔ ج کو پچھے تیں کنوں تو کیڑھی تختی پڑھدا؟ توآ کھ جی! پہلی پہلی تختی۔ کتنا بھتی؟ ترائے بھتی۔ کیا کیا؟ اوندے اُتے ہووے زبر تلے ہووے زیر اُتے ہووے پیش۔"[۸]

درج بالا شواہد کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عربی۔ سرائیکی صورت خطی اپنی ضرورت کے مطابق آہستہ آہستہ رواج پا رہی تھی۔ اس خطے میں اسلامی تعلیمات و تبلیغ کی بدولت نا صرف سرائیکی صورت خطی نیا چولا پہن رہی تھی بلکہ اب پروٹو سرائیکی بھی آہستہ آہستہ تبدیل ہو کر عربی لغت کے ذخیرے کو اپنے اندر جذب کر رہی تھی۔

۱۱۱ ہجری میں متحدہ سندھ دو حصوں میں بٹ چکا تھا۔ سرائیکی اور سندھی زبان کو سیاسی طور پر الگ الگ حیثیت حاصل ہوئی تو ان زبانوں نے اپنے اپنے علاقوں میں ترقی کی نئی راہیں اختیار کیں۔ اسی دوران عربی۔ سندھی اور عربی۔ سرائیکی صورت خطی کو آگے بڑھنے کا بہترین وقت بھی مل گیا تھا۔

اس طرح عربوں اور سرائیکیوں کے سیاسی میل جول نے ہماری زبان کے اسلوب اور مزاج کو بہت متاثر کیا، چنانچہ مذہب، معاشیات، تجارت، صنعت، مواصلات اور سیاست وغیرہ کے ہزاروں الفاظ عربی سے سرائیکی اور سندھی لغت میں شامل ہوئے۔ علاوہ ازیں عربی۔ سرائیکی صورت خطی کے ابتدائی نمونے عرب سیاحوں اور تاریخ دانوں کے تذکروں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے البیرونی ایک ایسا مورخ ہے جو ۱۰۱۷ء سے ۱۰۳۰ء کے درمیانی عرصے میں ملتان اور سندھ کے مختلف علاقوں میں مقیم رہا۔ اس نے کئی سرائیکی لفظوں کو عربی رسم الخط میں ڈھالا ہے۔ اسی طرح ۹۵۱ء میں اصطخری ۹۵۲ء کے لگ بھگ ابن حوقل اور ۹۱۵ء میں المسعودی نے بھی موجودہ سندھی اور سرائیکی وسیب کے مختلف شہروں کی سیر کی اور

متعدد مقامی الفاظ کو عربی صورت خطی میں درج کرنے کی سعی کی تھی۔ عرب مورخین کے مختلف تذکروں میں کچھ مقامی الفاظ اور ان کے املا کی مثالیں اس طرح ملتی ہیں۔

اصل مقامی لفظ	عربی املا
ہرمل	حرمل
میوا	مھوا
اروڑ	الور
تھوم	ثوم/فوم
ڈاہر	داہر
بھاٹیہ	بھاتیہ/باتیہ
سندھ	سند
ہریڑ	ہلیلہ
ملتان	مولتاں

درج بالا املا کے علاوہ البیرونی نے سرائیکی وسیب کے قدیم ناپ تول کے پیمانے، موسم ہفتے اور دنوں کے نام اور دوسری کئی مقامی اصطلاحات کو عربی۔سرائیکی صورت خطی کا حصہ بنایا تھا۔ اسی تناظر میں سندھی دانشور دولت رام نے کہا ہے کہ:

> ''البیرونی نے نو سو سال پہلے اپنے عربی املا میں آج کے نمونے کے سرائیکی الفاظ لکھنے کی کوشش کی۔ اسی زمانے میں ملتانی (سرائیکی) اور سندھی بولیاں شاید آج سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب ہوا کرتی تھیں۔ سندھ اور ملتان کے رشتے کافی گہرے ہیں۔ یہ دونوں قومیں ایک ہی شیشم سے پھوٹی ہیں ان کی بولیاں بھی ایک جیسی ہیں۔''[۹]

درج بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ سندھی اور سرائیکی ایک دوسرے کے قریب قریب کی زبانیں ہیں۔ اسی طرح ان کا تحریری نظام بھی ایک جیسا ہے۔ تاریخی اعتبار سے ان دونوں کی صورت خطی میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح عربی۔ سندھی یا عربی۔سرائیکی صورت خطی کا ایک قدیم نمونہ عربی تذکروں میں ایک بگڑے ہوئے املا کی شکل میں ملتا ہے۔ یہ ایک بیت کی صورت میں درج ہے اور

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی توصیف میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس کی عبارت ڈاکٹر جی الانا نے اپنی کتاب سندھی صورت خطی میں یوں درج کی ہے: "اره بره کهنکهره ـ کهرا کهرے مندره۔"[۱۰] ڈاکٹر جی الانا کے مطابق:

"یہ بیت ۱۸۷ ہجری سے بھی پہلے کا لکھا ہوا ہے اور اسے ہم عربی۔ سندھی صورت خطی کی ابتدائی املا کا نمونہ کہہ سکتے ہیں۔"[۱۱]

راقم الحروف کے مطابق یہ بیت قدیم سرائیکی زبان کے لفظوں کا پر تو معلوم ہوتا ہے اور اس کا مفہوم غالباً یہ ہو سکتا ہے کہ اے بادشاہ سلامت سندھ اور عرب میں کئی کھرے اور اعلیٰ اخلاق کے مالک ہوں گے، لیکن آپ ان میں سے ایسے ہیں جیسے انگوٹھی میں نگینہ۔

عربوں کے بعد فارسی بولنے والے حکم رانوں کا راج قائم ہوا تو ناصر الدین قباچہ کے عہد (۶۲۵۔ ۶۰۲ھ) میں علی کوفی نے فتح نامہ المعروف چچ نامہ تحریر کیا، اس کتاب میں کئی سرائیکی الفاظ کی املا دیکھی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں بزرگان دین کے ملفوظات و محظوطات اگرچہ فارسی میں ملتے ہیں، لیکن ان علمی خزانوں کے اندر مقامی زبانوں کے الفاظ و محاوارت بھی درج ہیں۔ تاریخ فیروز شاہی کے حوالے سے حافظ محمود شیرانی نے سرائیکی املا کا ایک نمونہ اس طرح درج کیا ہے۔

"برکت شیخ تھیا۔ اک موااک نہا۔"[۱۲]

بعض مقامات پر اس املا کی ایک دوسری صورت یہ بھی ملتی ہے کہ برکت شیخ ٹھٹھا۔ ہک مویا ہک نٹھا، یعنی جب محمد شاہ تغلق نے ٹھٹھا پر حملہ کیا تو وہ حملے کے دوران ہی فوت ہو گیا بعد ازاں اس کے جانشین فیروز شاہ تغلق نے بھی ٹھٹھہ پر فوج کشی کی، لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا، تو اس کے رد عمل کے طور پر درج بالا ضرب المثل عوام الناس میں مقبول ہو گئی۔

اسی طرح بہاءُالدین زکریا ملتانی، بابا فرید گنج شکر، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور دیگر صوفیہ کرام کے تذکروں میں سرائیکی صورت خطی اور املا کے نمونے موجود ہیں۔ جب کہ موجودہ سرائیکی صورت خطی کی پہلی باضابطہ کتاب "نور نامہ" ہے۔ یہ ایک منظوم رسالہ ہے جو چھٹی صدی ہجری میں تحریر ہوا تھا۔ یہ ابتدائی صورت خطی کیوں کہ عربی، فارسی حروف تہجی تک محدود رہی ہے، اس لیے سرائیکی کے بہت سارے حروف مثلاً، ٹ، ، ڈ، ڑ، گ، ڻ اور ٹھ وغیرہ کے لیے صدیوں تک کوئی اضافی علامت نظر نہیں آتی۔ اسی

حوالے سے ڈاکٹر مہر عبدالحق نے لکھا ہے:

"راقم الحروف کے پاس نجات المومنین کا جو قلمی نسخہ ہے اسی کے ساتھ مختلف دوسرے رسائل بھی ایک ہی جلد میں بندھے ہوئے ہیں۔ ان کی زبان بھی بہت پرانی معلوم ہوتی ہے اور رسم الخط بھی عجیب ہے۔ مثلاً پڑھ کو پھر لکھا گیا ہے۔ ک اور گ میں تمیز نہیں کی گئی ٹ کو ت سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ڑ کو ر لکھا گیا اور رسم الخط عربی نسخ ہے، جس میں اکثر ملتانی (سرائیکی) رسالے مطبوع ہوئے ہیں۔"[۱۳]

عربی۔سرائیکی صورت خطی میں الف ب کی پٹی کے ارتقائی جائزے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں تک سرائیکی اور سندھی کی خاص الخاص آوازوں کے لیے کوئی نئی علامت وضع نہیں کی گئی تھی۔ حتیٰ کہ ڈڑٹ کے لیے بھی موجودہ "ط" والی کوئی دوسری خاص اور مستحکم علامت صدیوں تک نظر نہیں آتی۔ اس تاریخی حقیقت کو ڈاکٹر مہر عبدالحق نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

"عربوں کے تین چار سو سالہ دور حکومت کے بعد فارسی کا زور ہوا۔ یہ فارسی کیوں کہ پہلے سے عربی کے اثرات قبول کر چکی تھی اس لیے اسے رائج ہونے میں کوئی علیحدہ حروف نہیں بنانے پڑے۔"[۱۴]

بعد ازاں کلھوڑا عہد میں مولانا ابوالحسن سندھی نے ۱۷۰۰ء کے آخر میں اپنی کتاب مقدمۃ الصلوٰۃ مرتب کی تو اس میں سندھی اور سرائیکی کی اضافی آوازوں کے لیے چند نئی علامتیں وضع کرنے کی ابتدا کی تھی۔ علاوہ ازیں ۱۷۶۰ء کے قریب قریب بعض قدیم سرائیکی مخطوطے ایسے بھی دریافت ہوئے ہیں جن کو اضافی علامتوں کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسی تحریروں میں ٹ اور ٹھ کے لیے "ط" کے نیچے چار نقطے لگا کر منفرد علامت وضع کرنے کی کاوش کی گئی تھی۔

۱۹۰۲ء میں خواجہ فرید کا کلام 'اسرار فریدی' کے عنوان سے اشاعت پذیر ہوا تو اس کی املا میں بھی تین حروف یعنی ڷ کو ایزادی حروف کے طور پر وضع کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں باقی ساری املا قدیم قلمی نسخوں کا عکس معلوم ہوتی ہے۔ اسی تناظر میں ڈاکٹر جاوید چانڈیو رقم طراز ہیں کہ:

"اسرار فریدی میں سرائیکی کی قدیم املا کے مطابق یائے معروف اور یائے مجہول کا فرق روا

نہیں رکھا گیا......اسی طرح رڑ ک گ ج چ ب پ ت ٹ اور د ڈ وغیرہ میں بھی فرق روا نہیں رکھا گیا۔"[۱۵]

یعنی موجودہ اضافی نقاط جو آج ایک مکمل علامت کے طور پر پہچانے جاتے ہیں ۱۹۰۲ء میں شائع ہونے والے کلام فرید میں ان کو کوئی رواج نہیں ملا۔ با الفاظ دیگر ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک لمبے عرصے تک پ کے لیے ب اور ٹ کے لیے ت سے کام چلایا جاتا رہا اسی طرح ڈ کے لیے د، چ کے لیے ج اور گ کے لیے ک سے گزارا کیا جاتا رہا۔

۱۸۵۳ء میں انگریز سرکار کی طرف سے وضع ہونے والے سندھی۔سرائیکی قاعدہ کے بعد سرائیکی دانشوروں نے اپنی زبان کی حروف تہجی کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر کئی کوششیں کیں۔ اس سلسلے کی سب سے بڑی کاوش ۱۸۹۳ء میں قاضی راضی کی سامنے آئی۔ بعدازاں غلام علی خان لنگاہ نے ۱۹۴۲ء میں سرائیکی زبان کی اضافی علامتیں وضع کیں۔ اسی طرح مولانا عزیزالرحمان نے سندھی سمیت تمام سرائیکی لکھاریوں کے انفرادی قاعدوں کا جائزہ لیا اور ایک علمی کارنامہ سرانجام دینے کے لیے اپنے عہد کے جید علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی اور اس کمیٹی کی تجویزوں کو اپنے رسالہ "العزیز" میں شائع کرتے رہے۔ اسی حوالے سے مولانا عزیزالرحمان لکھتے ہیں:

> "حروف تہجی کے متعلق العزیز میں مختلف آرا کا اظہار ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے اشخاص کے ساتھ زبانی گفتگو ہوئی، کثرت رائے سے جو فیصلہ ہوا وہ یہ ہے کہ اردو حروف تہجی پر کل چھ حروف زائد کیے جائیں جو ملتانی، سرائیکی زبان کے مخصوص اصوات اور لہجوں کو ظاہر کریں اور ان کی صورت خطی کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ صوتی حالت سندھی کی صورت خطی رکھی جائے اور اگرچہ کچھ تغیر کیا جائے تو بہت کم۔"[۱۶]

اگرچہ مولانا عزیزالرحمٰن نے ۱۹۴۳ء میں دیوان فرید انھی علامتوں کے ساتھ ترتیب دیا ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ بعد میں ہر لکھاری نے اپنی انفرادی علامتیں بنا کر سرائیکی لکھنا شروع کر دی تھی۔ بعدازاں ۱۹۷۵ء میں ملتان کی عالمی سرائیکی کانفرنس میں اضافی سرائیکی علامتوں کے لیے اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش کی گئی جو کہ ناکام ہوئی، پھر ۱۹۷۹ء میں ملتان میں منعقد ہونے والی ایک دوسری کانفرنس میں

ISSN:2708-5724, E-ISSN:2708-5732

سرائیکی لکھاریوں اور دانشوروں نے مولانا عزیز الرحمٰن کے تجویز کردہ اضافی حروف پر اتفاق رائے پیدا کیا۔ سرکاری سرپرستی نہ ہونے کے باوجود سرائیکی زبان کے لیے اب یہ اضافی علامتیں رواج پا چکی ہیں۔ یہ حروف اصل میں موجودہ اردو حروف تہجی کے مشابہ ہیں لیکن جن حروف کی علامتیں اُردو حروف تہجی کی پٹی میں موجود نہیں، انھیں ہم سرائیکی زبان کے خاص الخاص یا اضافی حروف کہتے ہیں۔ فی عہد سرائیکی زبان کی مکمل اور معیاری حروف تہجی درج ذیل ہے:

ا	آ	ب	پ	ت	ٹ	ث
ج	چ	ح	خ	د	ڈ	ݙ
ذ	ر	ڑ	ز	ژ	س	ش
ص	ض	ط	ظ	ع	غ	ف
ق	ک	گ	ڳ	ل	م	ن
ݨ	و	ہ	ی	ے	بھ	پھ
تھ	ٹھ	جھ	چھ	دھ	ڈھ	رھ
ڑھ	کھ	گھ	لھ	مھ	نھ	

یہ تختی سرائیکی دانشوروں نے اجتماعی طور پر مرتب کی ہے اور اس کے مطابق سرائیکی ادب تخلیق و تحریر کیا جارہا ہے۔ اس تاریخی سفر سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سرائیکی صورت خطی کن مراحل سے گزر کر یہاں تک پہنچی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اختر وحید، ملتانی زبان دا قاعدہ (ملتان: کاشیانہ ادب، ۱۹۵۳ء)، ۲۔

۲۔ ڈاکٹر غلام علی الانا، سندھی صورت خطی (حیدرآباد: سندھی لینگویج اتھارٹی، ۲۰۱۶ء)، ۳۶۔

۳۔ ایضاً، ۳۶۔

۴۔ ڈاکٹر حیدر سندھی، سندھی زبان و ادب کی تاریخ (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۶ء)، ۱۵۔

۵۔ منشی عبدالرحمان، تاریخ ملتان (م ن: عالمی ادارہ، ۲۰۰۰ء)، ۳۴۵۔

۶۔ ایضاً، ۳۱۴۔

۷۔ شوکت مغل،نئوں بھتی قاعدہ (ملتان: جھوک پبلی شرز،۲۰۱۱ء)،۵۔

۸۔ ایضاً،۶۔

۹۔ دولت رام، جیرام داس،سندھی بولیءِ لپیءَ جو اتھاس (حیدرآباد: سندھی لینگویج اتھارٹی،۲۰۰۹ء)، ۵۴۔

۱۰۔ ڈاکٹر غلام علی الانا،سندھی صورت خطی، ۶۰۔

۱۱۔ ایضاً، ۱۰۸۔

۱۲۔ حافظ محمود شیرانی،پنجاب میں اردو، حصہ اول (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۸ء)، ۱۱۔

۱۳۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق،ملتانی زبان اور اس کا اُردو سے تعلق (بہاول پور: اُردو اکادمی، ۱۹۶۷ء)، ۳۳۷۔

۱۴۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق،مزید لسانی تحقیقاں (ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۱۶ء)، ۳۹۔

۱۵۔ ڈاکٹر جاوید چانڈیو،دیوان فرید (بہاول پور: سرائیکی ادبی مجلس، ۱۹۹۸ء)، ۲۷۴۔

۱۶۔ عزیز الرحمٰن عزیز، ''سرائیکی'' مشمولہ: ماہنامہ العزیز (بہاول پور: عزیز المطابع، جولائی ۱۹۴۲ء)، ۳۳۔